ĪQĀN -Vol: 04, Issue: 01, Dec-2021
DOI-10.36755/iqan143.2021,PP: 24-38

OPEN ACCESS
Name
3336-2617pISSN:
3700-2617eISSN:
www.iqan.com.pk

زکوۃ سے متعلقہ مسائل میں استحسان کی عصری تطبیقات

Contemporary Applications of Istehsān In Zakat related issues

* ***Minhaj Ullah*** < *minhaj523995@gmail.com*>
PhD Scholar, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
** ***Prof. Dr. Mohyuddin Hashmi***
Dean faculty of Arabic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Version of Record
Received: 25-Sep-21; **Accepted** :01-Nov-21; **Online/Print**: 31-Dec-21

ABSTRACT
Zakat is one of the five pillars of Islam. Allah Almighty mentions it frequently in the Holy Quran. The Prophet (SAWS) also described its importance and virtue. He mentioned the punishments to be given in case of non-payment. The details of Zakat, i.e. the syllabus and the condition of passing the year on it, etc. show that Zakat is based on ease. The main purpose of Zakat is to help the needy and to distribute wealth fairly. Keeping in view these characteristics and aims of Zakat, the ancient jurists in their time inferred the issues which were in accordance with the conditions of that time and in accordance with the spirit of Sariah. However, due to the change of time and circumstances, some of the rules related to Zakat have come under attack on the purposes of Shariah and instead of ease in Zakat, a state of difficulty and hardship has started to arise. Therefore, these rulings need to be reviewed. Therefore, there is an urgent need for research work on this subject. In this article, the principle of Istehsan has been applied to such issues and their ruling has been mentioned in the light of Istehsan.

Keywords *Istehsan, Zakat, Applications, Contemporary Issues, rulings*

CC BY

زکوۃ کو اسلام کے معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔زکوۃ کا مقصد معاشرے کو ایسا معاشی نظام مہیا کرنا ہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو۔زکوۃ مالدار مسلمانوں سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے، زکوۃ کے نظام میں جہاں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس سے محتاجوں کی کفالت ہوتی ہے وہیں اس میں مالدار مسلمانوں کے لئے بھی آسانی رکھی گئی ہے۔زکوۃ سے متعلق عصری مسائل میں بعض مسائل ایسے ہیں کہ اگران پر شریعت کے عام قواعد کا اطلاق کیا جائے تو کہیں محتاجوں اور ناداروں کا نقصان ہوتا ہے تو کہیں مالدار مسلمانوں پر ایسی مشقت پڑ جاتی ہے جو مقاصدزکوۃ سے متصادم ہوتی ہے۔زیر نظر مقالہ میں ایسے مسائل پر استحسان کا اطلاق کر کے ایسا حل پیش کیا ہے جس سے نہ صرف فقراء اور مساکین کے مفادات کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ اس میں مالدار مسلمانوں کے لئے بھی ایسی آسانی ہے جو شریعت کے عین مطابق ہے۔

استحسان کا تعارف:

استحسان باب استفعال سے ہے اس کا مادہ حسن ہے تاج العروس میں استحسان کے لغوی معنی ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"اسْتَحْسَنهُ، أي: عَدَّهُ حَسَناً"[1]

"استحسان کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے"

ابوالحسن کرخیؒ نے استحسان کی اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

"أَنْ يَعْدِلَ الْإِنْسَانُ عَنْ أَنْ يَحْكُمَ فِي الْمَسْأَلَةِ بِمِثْلِ مَا حَكَمَ بِهِ فِي نَظَائِرِهَا إلَى خِلَافِهِ لِوَجْهٍ أَقْوَى يَقْتَضِي الْعُدُولَ عَنْ الْأَوَّلِ"[2]

"استحسان یہ ہے کہ انسان کسی مسئلہ کے حکم میں اس کے نظائر کے حکم سے ایسے قوی دلیل کی وجہ سے عدول کرے جو کہ پہلے حکم سے عدول کا تقاضا کرتا ہے"

مالکیہ میں ابن رشدؒ نے استحسان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"هو أن يكون طرد القياس يُؤَدِّي إِلَى غُلُوٍّ فِي الْحُكْمِ وَمُبَالَغَةٍ فِيهِ، فَيُعْدَلَ عَنْهُ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ لِمَعْنًى يُؤَثِّرُ فِي الْحُكْمِ يَخْتَصُّ بِهِ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ"[3]

"استحسان یہ ہے کہ بعض مخصوص مقامات پر موثر معنی کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کیا جائے جس کے عام کرنے سے حکم میں سختی اور مبالغہ پیدا ہوتا ہو"

اس تعریف میں معنی موثر سے مراد حکمۃ اور مصلحت ہے۔حنابلہ کے نزدیک استحسان کی تعریف درج ذیل ہے:

---

[1] الزبیدی، مرتضیٰ، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت: دار الہدایۃ، ت ن، ج34، ص423
Al-zubaidī, Murtazā, Muhammad bin Muhammad, Tāj al-urōs min jawāhir al-qāmos,Beirūt,Dār Al-hidāya,34/423.

[2] البخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، دار الکتب الاسلامی، ت ن، ج4، ص3
Al-bukhārī, Abdul aziz,Kashf al-asrār sharh usōl al-Bazdavī,Dār al-kutub al-islamī ,4/3.

[3] الشاطبی، ابراھیم بن موسیٰ۔الاعتصام۔السعودیۃ: دار ابن جوزی للنشر والتوزیع، 2008ء، ج3، ص49
Al-Shābtī, Ibrāhīm bin musā, Al-I'tisām, Saudiya, Dār ibn jozī,lin nashr wa al- tozī,2008 ,3/39

"الْعُدُولُ بِحُكْمِ الْمَسْأَلَةِ عَنْ نَظَائِرِهَا لِدَلِيلٍ خَاصٍّ مِنْ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ"[1]

"کسی مسئلہ کے حکم میں اس کے نظائر سے کتاب وسنت کی کسی خاص دلیل کی وجہ سے عدول کرنا استحسان ہے"

شوافع سے استحسان کی کوئی تعریف منقول نہیں ہے البتہ انہوں نے دیگر فقہاء کی تعریفات اپنی کتابوں میں ذکر فرمائی ہیں اور ان میں سے بعض تعریفات کو قبول بھی کیا ہے مثلاً علامہ آمدیؒ ابوالحسین بصری کی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حَاصِلُهُ يَرْجِعُ إِلَى تَفْسِيرِ الِاسْتِحْسَانِ بِالرُّجُوعِ عَنْ حُكْمِ دَلِيلٍ خَاصٍّ إِلَى مُقَابِلِهِ بِدَلِيلٍ عَلَيْهِ أَقْوَى مِنْهُ مِنْ نَصٍّ أَوْ إِجْمَاعٍ أَوْ غَيْرِهِ، وَلَا نِزَاعَ فِي صِحَّةِ الِاحْتِجَاجِ بِهِ"[2]

اس کا حاصل یہ ہے کہ استحسان کی تفسیر خاص دلیل کے حکم سے دلیل قوی یعنی نص یا اجماع وغیرہ کی بنیاد پر اس کے مقابل کی طرف رجوع کرنے کی طرف راجع ہے۔ اور اس سے استدلال کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔

استحسان کی قسمیں:

استحسان کی کئی ایک قسمیں بنتی ہیں علامہ بدرالدین عینیؒ نے استحسان کی چار قسمیں استحسان بالنص، استحسان بالاجماع، استحسان بالضرورۃ اور استحسان بالقیاس مع امثلہ بیان فرمائی ہیں:[3] مالکیہ میں ابن العربیؒ استحسان کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم نے بھی اپنے مذہب میں استحسان کو تلاش کیا تو ہم نے اس کی مختلف اقسام پائیں یہ اقسام دلیل کو مصلحت، عرف، اہل مدینہ کے اجماع اور لوگوں کی آسانی اور ان سے مشقت دور کرنے کی وجہ سے ترک کرنا ہے"[4]

امام شاطبیؒ نے مالکیہ کے نزدیک استحسان کی ایک قسم استحسان بمراعاۃ الخلاف ذکر فرمائی ہے الاعتصام لکھا ہے:

"قَالُوا: إِنَّ مِنْ جُمْلَةِ أَنْوَاعِ الِاسْتِحْسَانِ مُرَاعَاةَ خِلَافٍ"[5]

"مالکیہ فرماتے ہیں کہ استحسان کی اقسام میں سے ایک قسم استحسان بمراعاۃ الخلاف ہے"

---

[1] ابن القدامۃ المقدسی، موفق الدین، عبداللہ بن احمد بن محمد ۔ روضۃ الناظر وجنۃ المناظر فی اصول الفقہ علیٰ مذہب الامام احمد۔ موسسۃ الریان للطباعۃ والنشر والتوزیع، 2002ء، ج1، ص 473

Inb Al-Qudāma, Al-Maqdasī, Muaffaq al-din, Abd Allah bin Ahmad, Rozat al-Nāzir wa Jannat al-Manāzir fī usōl Al-fiqh alā mazhab al-imām al-Ahmad,Muassat al-Rayyān ,li tabaʼati wa al- nashri wa al-taozi,2002,1/473.

[2] الآمدی، علی بن ابو علی۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ بیروت: المکتب الاسلامی، ت ن، ج4، ص158

Al-Āmdī, Ali bin abu Ali, Al-Ihkām fī usōl al-ahkām,Beirūt,Al-maktab al-Islamī ,4/158.

[3] العینی، محمود بن احمد، بدرالدین۔ البنایۃ شرح الہدایۃ۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2000۔ ج3، ص489۔

Al-Ainī, Mahmōd bin Ahmad, Badr al-din, ***Al-Bināyah sharh al-Hidāya***,Beirūt, Dār al-kutub al-ilmiyyah,2000,3/489.

[4] ابن العربی، محمد بن عبداللہ، ابو بکر۔ المحصول فی اصول الفقہ۔ عمان: دار البیارق، 1999، ص131

Ibn Al-Arabī,Muhammad bin Abd Allah,Abu bakr,Al-Mahsōl,fī usōl al-fiqh,Omān,Dār al-Bayāriq,1999,p:131.

[5] الشاطبی، الاعتصام، ج2، ص645

Shābti, Al-I'tisām,2/645

حنابلہ میں قاضی ابو یعلیؒ نے استحسان کی اقسام استحسان بالکتاب ،استحسان بالسنۃ اور استحسان بالاجماع بیان کی ہیں۔[1] استحسان کی مندرجہ بالا تمام اقسام کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے :

استحسان بالنص:

نص یعنی قرآن وحدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا استحسان بالنص کہلاتا ہے۔استحسان بالنص کی مثال بیع سلم ہے، سلم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو رقم پیشگی دے دے اور کہے کہ فلاں چیز فلاں وقت میں آپ مجھے دیں گے۔ قیاس یہ ہے کہ بیع سلم جائز نہ ہو کیوں کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع ناجائز ہے لیکن حدیث مبارکہ کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا گیا۔

استحسان بالاجماع:

اجماع امت کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا استحسان بالاجماع کہلاتا ہے۔استحسان بالاجماع کی مثال استصناع ہے استصناع یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر کے ساتھ یہ عقد کرے کہ اس کے لئے فلاں چیز بنائے اور اس کو کچھ رقم پیشگی دے دے تو یہ جائز ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو کیوں کہ یہ بھی معدوم کی بیع ہے مگر اجماع کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا۔

استحسان بالضرورۃ:

ضرورت اور مصلحت عامہ کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا استحسان بالضرورۃ کہلاتا ہے استحسان بالضرورۃ کی مثال کنوؤں، حوضوں اور برتنوں کا پاک ہونا ہے۔ کنویں یا حوض میں کوئی چیز گر کر مر جائے تو مقررہ مقدار میں پانی نکالنے کے بعد بقیہ پانی کے ساتھ ساتھ کنویں کی دیواروں ،جس برتن سے پانی نکالا گیا ہے اس برتن کے پاک ہونے کا حکم کیا جاتا ہے حالاں کہ قیاس تو یہ ہے کہ یہ بھی دھوئی جائیں گی تو تب صاف ہوں گی۔ لیکن اگر اس کی طہارت کا حکم نہ کیا جائے تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے۔ لہٰذا ضرورت کی وجہ سے استحساناً اس کے پاک ہونے کا حکم کیا گیا ہے۔

استحسان بالقیاس الخفی:

قیاس خفی کی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کرنا استحسان بالقیاس الخفی کہلاتا ہے۔استحسان بالقیاس خفی کی مثال یہ ہے کہ جب مبیع قبل القبض کی صورت میں ثمن میں متعاقدین کا اختلاف ہو جائے (بائع زیادہ قیمت طے ہونے کا دعوی کرے اور مشتری کم قیمت کا) تو بائع پر یمین واجب نہیں ہوتا کیوں کہ وہ مدعی ہے منکر نہیں وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میری فلاں چیز کی اتنی قیمت مشتری کے ذمے باقی ہے۔ لیکن قیاس خفی ہے کہ وہ منکر ہے اس پر یمین واجب ہونا چاہیئے کیوں کہ مشتری کم ثمن کے بدلے میں مبیع کے سپرد کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور بائع اس کا انکار کر رہا ہے۔[2]

---

[1] ابو یعلی، محمد بن الحسین، القاضی۔العدۃ فی اصول الفقہ۔بدون ناشر، 1990ء، ج5، ص1608
Abu Ya'lā,Muhammad bin Al-Husain,Al-Qāzī,Al-Iddah fī usōl Al-fiqh,1990,5/1608.

[2] العینی، البنایۃ شرح الہدایۃ، ج3، ص489

Al-Ainī, Al-Bināya sharh al-Hidāya,3/489.

استحسان بقول الصحابی:

قیاس کو صحابی کے قول کی وجہ سے ترک کرنا استحسان بقول الصحابی کہلاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ :

" کسی نے پہلی بار چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا دوسری بار چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا تیسری بار چوری کرنے پر استحساناً اس پر حد جاری نہ ہو گا بلکہ اسے تعزیر دی جائے گی اور قید کیا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے۔ قیاس بھی یہی ہے کہ تیسری اور چوتھی بار بھی حد جاری ہو۔امام شافعیؒ کا قول یہی ہے "[1]

اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ :

" پانچویں بار چوری کرنے پر اس کو قتل کیا جائے "[2]

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ تیسری اور چوتھی بار چوری کرنا جرم میں پہلی چوری کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ دو مرتبہ حد جاری ہونے کے بعد بھی یہ چوری کرنے پر مصر ہے لہٰذا تیسری اور چوتھی بار بھی اس پر حد جاری ہونا چاہیئے۔دوسری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے :

"إِذَاسَرَقَ السَّارِقُ فَاقْطَعُوا يَدَهُ،وَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوارِجْلَهُ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوا يَدَهُ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوا رِجْلَهُ"[3]

" حضرت ابو ھریرہؓ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو،اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو،اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو،اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو"

استحسان کی دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے جو دار قطنی میں نقل کیا گیا ہے :

" حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو۔ پھر چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دو،اگر پھر چوری کرے تو اس کو قید کرلو جب تک وہ اچھائی نہیں کرتا۔مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ کھائے اور استنجا کرے اور ایک پاؤں بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ چل سکے "[4]

قیاس کی دلیل کے دو جوابات دیئے گئے ہیں پہلا جواب تو یہ ہے کہ :

" یہ حدیث ثابت ہی نہیں طحاویؒ نے اس حدیث میں طعن کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔دوسرا جواب یہ

---

[1] الشیرازی،ابراھیم بن علی،ابواسحاق۔المھذب فی فقہ الامام الشافعی۔بیروت : دار الکتب العلمیۃ،ت ن،ج 3،ص 364۔

Al-Sherazī,Ibrahim bin Alī ,Abu Ishaq,Al-Muhazzab fī Fiqh Al-Imam Al-Shafī, Beirūt, Dar al-Kutub al-ilmiyyah,3/364

[2] البابرتی،اکمل الدین،محمد بن محمد بن محمود۔العنایۃ شرح الھدایۃ۔بیروت : دار الفکر،ت ن،ج 5،ص 95۔

Al-Babartī, Akmal al-din, Mhmmad bin Mhammad, Al-inayah sharh al-Hidaya, Beirūt, Dar al-fikr, 5/95.

[3] الدار قطنی،ابو الحسن علی بن عمر۔سنن الدار قطنی۔بیروت : مؤسسۃ الرسالۃ،2004م،کتاب الحدود والدیات وغیرہ۔

Al-Daru Qutnī, Abu Al-Hasan, Ali bin Umar, Sunan Al-Daru Qutnī,Beirūt,Massa al-Risalah,2004,Kitab al-Hudod wa al-Diyat waghairuh.

[4] ایضاً

Ibid.

ہے کہ بالفرض اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو یہ سیاست پر محمول ہے"[1]

استحسان بالعرف:

لوگوں کے عرف اور عادت کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا استحسان بالعرف کہلاتا ہے۔اگر کسی نے بغیر اجازت کے اپنی بیوی یا بالغ اولاد کا صدقہ فطر ادا کر دیا تو استحسانا جائز ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ بیوی اور بالغ اولاد اس کی ولایت اور کفالت میں نہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے اجازت ہوئی ہے کہ بطور وکالت ان کی طرف سے ادا کردہ صدقہ جائز ہو جائے لہٰذا زکوۃ پر قیاس کر کے صدقہ فطر کی ادائیگی جائز نہ ہو گی۔استحسان کی دلیل یہ ہے کہ عرف اور عادت یہ ہے کہ آدمی اپنے بیوی بچوں کی طرف سے صدقہ ادا کرتا ہے، عام طور سے بیوی یہی سمجھتی ہے کہ شوہر اس کی طرف سے صدقہ ادا کرے گا اور اولاد چاہے وہ بالغ ہی کیوں نہ ہوں یہی سمجھتے ہیں کہ والدان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے گا۔ لہٰذا حقیقتاً اگرچہ اجازت نہیں ہے مگر دلالت عرف کی وجہ سے اجازت پائی گئی اس لئے صدقہ فطر کی ادائیگی درست ہو جائے گی۔[2]

استحسان بالمصلحۃ:

عقد مزارعت میں اگر زمیندار یا مزارع میں سے کوئی ایک مر جائے تو مساقات باطل (یعنی عقد مزارعت ختم) ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ ایک قسم کا اجارہ ہے اور اجارہ متعاقدین کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ پس اگر زمیندار مر جائے تو عامل کو چاہیئے کہ وہ اسی طرح پھلوں کی دیکھ بھال کرتا رہے جیسے وہ زمیندار کی زندگی میں کیا کرتا تھا اگرچہ زمیندار کے ورثاء اس کو پسند نہ کرے۔اسی طرح اگر مزارع مر جائے تو اس کے ورثاء پھلوں کی دیکھ بھال کریں۔اس صورت میں عقد کا باقی رہنا استحسان پر مبنی ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عقد باطل ہو جائے۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ زمیندار نے مزارع کو زمین کی بعض پیداوار کے عوض میں اجرت پر لیا ہے۔لہٰذا یہ اجارہ کے معنی میں ہوا اور اجارہ متعاقدین (عقد کرنے والے) میں سے کسی بھی ایک کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس عقد کا باقی رکھنا درست نہیں ہے۔استحسان کی دلیل یہ ہے کہ عقد ختم کرنے کی صورت میں مزارع کا نقصان ہے۔ عقد کو باقی رکھنے کی صورت میں مزارع بھی نقصان سے بچ جائے گا اور اس میں کسی اور کا بھی کوئی نقصان نہیں۔لہٰذا عامل کو نقصان سے بچانے کے لئے ہم نے ضرورت کے تحت عقد کو باقی رکھا۔[3] یہ استحسان بالمصلحۃ ہے۔

استحسان بمراعاۃ الخلاف:

وہ مسائل جن میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے ان میں کسی خاص مصلحت کے تحت اپنے فقہی مذہب پر عمل ترک کر کے کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا استحسان بمراعاۃ الخلاف کہلاتا ہے۔ احنافؒ کے ہاں اس کی مثال یہ ملتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھائی نماز کے بعد انہیں کہا گیا کہ جس کنوئیں کے پانی سے آپ نے وضو کیا تھا اس میں چوہا گر گیا تھا لہٰذا وہ پانی ناپاک تھا۔ یہ سن کر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ:

---

[1] البابرتی، العنایۃ شرح الہدایۃ، ج 5، ص 336

Al-Babartī, Al-inayah sharh al-Hidaya,5/336.

[2] المرغینانی، علی بن ابو بکر۔ الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، ت ن، ج 1، ص 113۔

Al-Murghīnānī, Alī bin Abu Bakr, Al-Hidāyah Sharh Bidāyat al-Mubtadī, Beirūt, Dār Ihya al-turās al-arabi,1/113.

[3] العینی، البنایۃ شرح الہدایۃ، ج 11، ص 518

Al-Ainī, Al-Binayah sharh al-Hidaya, 11/518.

" پھر ہم اپنے مدنی بھائیوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔اس مسئلہ میں قیاس یہ ہے کہ نماز لوٹائی جائے کیوں کہ ناپاک پانی سے وضو کیا گیا تھا۔ لیکن استحساناً امام ابو یوسف نے نماز کے درست ہونے کا قول کیا۔استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مالکی فقہاء کے نزدیک وہ پانی صاف ہے کیوں کہ ان کے بقول جب پانی کی مقدار دو قلہ ہو جائے تو وہ گندہ نہیں ہوتا"[1]

زکوۃ میں استحسان کی عصری تطبیقات:

قرض حسنہ پر زکوۃ:

مال پر زکوۃ تب واجب ہو گی جب اس میں درج ذیل شرطیں پائی جاتی ہوں ملک مطلق، مال نامی ہو، مال نصاب کی مقدار کے برابر ہو، حاجت اصلیہ سے فارغ ہو، نصاب کی مقدار مال پر سال کا گزرنا۔زیر بحث مسئلہ پہلی شرط "ملک مطلق" سے متعلق ہے۔لہٰذا مندرجہ بالا شرائط میں سے صرف اسی کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔ملک مطلق یا ملک تام سے مراد یہ ہے کہ آدمی مال کا مالک بھی ہو اور مال اس کے قبضہ میں بھی ہو، تاکہ وہ اس میں تصرف کر سکے۔اگر کسی شخص کا دوسرے کے اوپر قرض (دین) ہو تو کیا اس مال میں زکوۃ واجب ہو گی یا نہیں۔دین پر آدمی کی ملکیت تام ہوتی ہے یا نہیں۔اس کا حکم دین کی قسم سے لحاظ سے مختلف ہے۔دیون کی اقسام درج ذیل ہیں :

1. وہ دین جس کے وصول ہونے کی امید نہ ہو۔مثلاً جس پر قرض ہے وہ لاپتہ ہو گیا ہو، یا منکر ہو اور اس قرض پر گواہ نہ ہو، وغیرہ۔اس دین پر اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں جب تک وہ وصول نہیں ہوتا۔یہ دین جب وصول ہو جائے گا تو امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور شوافع کے ایک قول کے مطابق اس کے اوپر صرف ایک سال کی زکوۃ ہو گی، گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔جبکہ صاحبینؒ، امام احمدؒ اور شوافعؒ کے ایک قول کے مطابق اس پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔
2. وہ دین جس کے وصول ہونے کی امید ہو، ایسے دین کی فقہاء نے تین اقسام بیان فرمائی ہیں :

۱۔دین قوی:

وہ دین جو سامان تجارت یا قرض کے بدلے میں کسی کے ذمہ واجب ہوا ہو۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس دین میں مالک پر زکوۃ تب واجب ہو گی جب کم از کم چالیس درہم کی مقدار وصول ہو، چالیس درہم جب وصول ہوں گے تو ایک درہم زکوۃ ادا کرے گا۔صاحبینؒ کے نزدیک جتنا بھی وصول ہو اس میں سے زکوۃ ادا کرتا رہے گا۔

۲۔دین ضعیف:

وہ دین جو کسی ایسی چیز کے عوض میں واجب ہوا ہو جو مال نہ ہو جیسے، میراث، وصیت، مہر، خلع کا بدل وغیرہ۔اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔جب وصول ہو جائے گا اس کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہو گی۔

---

[1] شاہ ولی اللہ، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، مترجم صدر الدین اصلاحی، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، 1980، ص164
Shah Walī Allah, Ikhtilāfi Masāyel main I'tidāl kī rāh, taraslated by Sadr al-din Islāhī, Lāhore, Islamīc Publications Ltd,1980, p:164.

۳۔دین متوسط:

وہ دین جو کسی کے ذمے مال کے بدلے لازم ہوا ہو، لیکن وہ مال سامان تجارت یا سونا، چاندی نہ ہو۔اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوۃ تب واجب ہو گی جب دو سو درہم وصول ہوں، جب وہ وصول ہوں گے تب یہ گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرے گا۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ :

"گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔آئندہ کے لئے جب سال پورا ہو گا تو زکوۃ ادا کرے گا"[1]

قرض حسنہ میں زکوٰۃ:

مندرجہ بالا قواعد کی رو سے قرض حسنہ اگر کئی سالوں بعد وصول ہو تو اس پر گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہونی چاہیئے کیوں کہ قرض دین قوی ہے اور دین قوی اگر کئی سال بعد وصول ہو تو اس پر گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب ہوتی ہے۔فتاوٰی عثمانی میں ہے کہ :

"قرض دین قوی ہے، لہٰذا اس پر ہر سال زکوۃ واجب ہوتی رہتی ہے، البتہ زکوۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے جب رقم وصول ہو"[2]

یہ حکم قیاس پر مبنی ہے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک :

"قرض جو کہ کئی سال بعد وصول ہو اس میں صرف ایک سال کی زکوۃ ادا کی جائے گی"[3]

خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ :

"قرض حسنہ خالصتاً تبرع ہے جو اکثر کرنسی کی صورت میں دیا جاتا ہے اور افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے اسی لئے موجودہ دور میں امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنا اعتدال پر مبنی نظر آتا ہے"[4]

ان کا یہ قول استحسان پر مبنی ہے قیاس کی رو سے قرض حسنہ پر وصول ہونے کے بعد گزرے ہوئے سالوں کی زکٰوۃ واجب ہونی چاہیئے تھی لیکن استحساناً صرف ایک سال کی زکٰوۃ ادا کرنے کا حکم کیا گیا۔استحسان کی وجہ لوگوں کے مال کا تحفظ ہے اور قرض حسنہ کی ترغیب ہے۔اگر ایک شخص نے دوسرے کو پانچ سال پہلے پانچ لاکھ روپے قرض دیئے ہوں تو اس وقت اس کی قدر پانچ ہزار ڈالر کے برابر تھی اب اگر قرض پانچ سال بعد اب وصول ہوتا ہے تو اس کی قدر تین ہزار تین سو تینتیس ڈالر ہو گی۔پھر اگر اس میں سے اسے پانچ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی پڑ جائے تو اسے مزید نقصان ہو جائے گا۔قرض حسنہ دینے کا رجحان کم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔لہٰذا لوگوں کے مال کے تحفظ اور قرض حسنہ کا رواج عام کرنے کے لئے اس قول پر عمل کرنا راجح ہے۔

---

[1] الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد۔بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔بیروت : دار الکتب العلمیۃ، 1986م، ج5، ص118۔

Al-Kāsānī, Ilā al-din, Abu Bakr bin Masud, Badaī al-sanaī fī tartib al-sharaī, Beirūt, Dār al-kutub al-ilmiyyah,1986,5/118.

[2] عثمانی، محمد تقی، مفتی۔فتاوٰی عثمانی۔کراچی : مکتبۃ المعارف، 2006، ج2، ص64۔

Usmāni, Muhammad Taqi, Mufti,Fatāwa Usmāni,Karāchi,Maktabat ul Maārif,2 ،2006/64

[3] مالک بن انس، امام۔المدونۃ الکبریٰ۔بیروت : دار الکتب العلمیہ، 1994، ج1، ص315۔

Mālik bin Anas, Al Mudawwanatul kubrā, Beirūt, Dār al Kutub al ilmiyyah,1994,1/315

[4] رحمانی، خالد سیف اللہ، ایک مدت بعد قابل ادائیگی دیون کی زکٰوۃ، بحث و نظر، حیدر آباد، شمارہ 92.93، اپریل، ستمبر .2013۔

Rahmānī, Khālid Saif Ullah, Aik muddat bād qābil e adāyegi duyūn ki zakāt, bahs wan azar,Haider Abād,journal no,92,93,April -september,2013.

طویل المیعاد قرض (دین) پر زکوۃ:

آج کل مختلف اداروں کی طرف سے قرضے فراہم کئے جاتے ہیں جن کی ادائیگی قسطوں کے حساب سے طویل عرصے میں کی جاتی ہے دین چاہے جیسا بھی ہو احناف کے نزدیک وجوب زکوۃ کے لئے مانع ہے۔علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :

"زکوۃ کے فرض ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط احناف کے ہاں یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے والے پر ایسا دین نہ ہو جس کا مطالبہ کسی بندے کی طرف سے ہو۔اگر ایسا کوئی دین ہے تو اتنی مقدار زکوۃ کے مال سے مستثنیٰ ہو گی چاہے وہ دین فی الحال ادا کرنا ہو یا مؤجل ہو"

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔قیاس کی پہلی دلیل حضرت عثمانؓ کا قول ہے :

" حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ رمضان میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے زکوۃ کا مہینہ آگیا ہے جس کے پاس مال ہو اور اس پر دین ہو تو دین ادا کرلے پھر اس کے بعد باقی مال کی زکوۃ ادا کرے "[1]

یہ آپؓ نے صحابہ کے سامنے فرمائی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا اس بات پر ان کی طرف سے اجماع ہو گیا کہ دین کی مقدار مال پر زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دین کی ادائیگی حوائج اصلیہ میں سے ہے لہٰذا دین کے بقدر مال حوائج اصلیہ میں سے ہو گیا جس سے آدمی غنی نہیں ہوتا۔[2] تیسری دلیل قیاس ہے جس طرح دین سے حج کا وجوب ساقط ہوتا ہے ویسے ہی وجوب زکوۃ کے لئے بھی مانع ہونا چاہیئے۔[3] لہٰذا قیاس اور فقہ کے عمومی قواعد کا تقاضا یہی ہے کہ دین (قرض) چاہے جیسا بھی ہو وہ وجوب زکوۃ کے لئے مانع ہے۔فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ :

" طویل المیعاد قرضے مانع زکوۃ نہیں ہیں "[4]

اور جدید فقہی مسائل میں لکھا گیا ہے کہ ایسے دیون میں ہر سال قرض کی جو قسط ادا کرنی ہے صرف وہی مقدار زکوۃ سے مستثنیٰ ہو گی بقیہ پورے مال میں زکوۃ ادا کی جائے گی۔استحسان کا تقاضا بھی یہی ہے۔استحسان کی ایک دلیل یہ ہے :

"کہ بعض فقہاء کے نزدیک دیر سے ادا کیا جانے والے مہر کو زکوۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا۔اس پر طویل المیعاد دین کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسے دیون کو زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دینے میں فقراء کا نقصان بہت زیادہ ہے۔جبکہ ان دیون پر زکوۃ لازم کرنے میں مالداروں کا نقصان زیادہ نہیں ہے کیوں کہ ان دیون کے ادا کرنے میں ان کو بہت مہلت حاصل ہے , نیز ایک سال کی اقساط کی مقدار بھی زکوۃ سے مستثنیٰ ہے "[5]

---

[1] مالک بن انس۔الموطا۔بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1985، کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ فی الدین، ج1، ص253
Mālik bin Anas, Al Mawata, Beirūt, Dār al Ihyā al turās al arabī,1985, Kitāb al Zakah Bāb Al Zakāh fī duyoon,1/353

[2] الکاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص6
Al-Kāsānī, Badāī al-sanāī fī tartib al-sharāī,2/6.

[3] الغفیلی، عبداللہ بن منصور۔نوازل الزکاۃ۔دراسۃ فقہیۃ تأصیلیۃ لمستجدات الزکاۃ۔الریاض: دارالمیمان، 2009ء ص64۔
Al-Ghufailī, Abd Allah bin Mansur, Nawāzil al-zakāh, Dirāsah Fiqhiyyah tāsiliyyah li mustajidāt al-zakāh, Al-Riyād,Dār al-Maimān,20009,P:64.

[4] عبدالحق، مولانا۔فتاویٰ حقانیہ۔اکوڑہ خٹک: مکتبہ سید احمد شہید، طبع ہفتم، 2010، ج3، ص510
Abdul Haq, Molānā, Fatāwa Haqqāniya,Akora khatak,7th edition,2010,3/510

[5] رحمانی، خالد سیف اللہ۔جدید فقہی مسائل۔کراچی: زمزم پبلشرز، 1426ھ، ج1، ص146
Rahmānī, Khālid Saif Ullah, Jadeed Fiqhī Masāīl, Krachi, Zam zam Publishers, 1426, 1/146.

قیاس پہلی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قول میں قرض سے مراد وہ قرضے ہیں جن کی ادائیگی فوری طور پر کرنا ہو۔اس لئے آپؓ نے فرمایا کہ پہلے قرض ادا کرو پھر جو مال بچ جائے اس پر زکوۃ ادا کرو۔ قیاس کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ طویل المیعاد دین کو حج پر قیاس کرنے کے بجائے دیر سے ادا کئے جانے والے مہر پر قیاس کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیوں کہ خالص مالی معاملہ ہونے اور دیر سے ادائیگی میں مشترک ہونے کی وجہ سے دونوں میں قریبی مناسبت پائی جاتی ہے۔ قیاس کی رو سے طویل المیعاد قرض پر زکوۃ واجب نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن محتاج لوگوں کی مصلحت کی خاطر قیاس سے رجوع کیا گیا۔ یہ استحسان بالمصلحۃ ہے۔

حقوق مجردہ میں زکٰوۃ:

حقوق مجردہ یا حقوق معنوی ان حقوق کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق مال یا اس منافع کے ساتھ نہ ہو۔ جیسے قصاص کا حق، ولایت اور طلاق کا حق معنوی حقوق ہیں۔ عصر حاضر میں کچھ حقوق معنوی کو حقوق مالیہ سمجھا جاتا ہے جن میں حق تالیف، حق ایجاد، ٹریڈ مارک، تجارتی لائسنس اور ویزے وغیرہ جیسے حقوق شامل ہیں۔ان حقوق میں اگر مال تجارت کی شرائط پائی جائیں تو ان میں زکٰوۃ استحساناً واجب ہو گی۔ان میں قیاس تو یہ ہے کہ ان حقوق کے اوپر زکٰوۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ یہ مال نہیں ہیں احناف کے نزدیک مال کی تعریف یہ ہے:

"الْمُرَادُ بِالْمَالِ مَا يَمِيلُ إِلَيْهِ الطَّبْعُ، وَيُمْكِنُ ادِّخَارُهُ لِوَقْتِ الْحَاجَةِ"[1]

"مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبعیت مائل ہوتی ہے اور جسے ضرورت کے وقت کے لئے ذخیرہ کرنا ممکن ہوتا ہے"

جبکہ استحسان کی دلیل عرف ہے عرف میں ان اشیاء کے ساتھ مال والا معاملہ کیا جاتا ہے اسی لئے یہ مال ہی کہلائیں گے۔اسی لئے آج کے عرف کے مطابق فقہاء نے مال کی تعریف درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

"ما يتموله الناس ويعدونه مالاً"[2]

"مال اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے لوگ مال سمجھتے ہیں"

لہٰذا جن حقوق مجردہ پر مال کی تعریف صادق آئے گی ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہو گی اور ان کے اوپر زکوۃ بھی واجب ہو گا۔مسئلے کی صورت یہ ہو گی کہ ایک آدمی نے کسی ملک کے ویزے بیچنے کے لئے خرید لئے، اسی دوران اس کے زکوۃ کی ادائیگی کا وقت آگیا تو ویزوں کی قیمت بھی اس مال میں شامل کی جائے گی جس سے وہ زکوۃ ادا کر رہا ہے۔

سادات اور بنو ہاشم کو زکوۃ دینا:

سادات اور بنو ہاشم کے غریب حاجت مندوں کو زکوۃ دینے میں فقہاء کی اکثریت کی یہی رائے ہے کہ سادات اور بنو ہاشم کو زکوۃ دینا اور ان کیلئے زکوۃ کا لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔علامہ بدر الدین عینی نے الایضاح کے حوالے لکھا ہے کہ:

---

[1] الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ بیروت: دار الفکر، 1992م، ج4، ص501

Al-Shāmī Ibn Al-Ābidin, Muhammad Amin Bin Umar, Rad-al-Mukhtār alā Dur al-Muhtār,Beirūt, Dār Al-fikr, 1992,4/501.

[2] الزحیلی، وہبۃ بن مصطفیٰ۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ دمشق: دار الفکر، ت ن، ج7، ص5433

Al-Zuhailī, wahaba bin Mustafā, Al-Fiqh al-Islāmī wa adillatuho, Demoscus, Beirūt, Dār al-fikr,7/5433

" تمام تر واجب صدقات بنو ہاشم کے لئے باتفاق ائمہ اربعہ حلال نہیں ہے "[1]

احناف کے ہاں بنو ہاشم کی درج ذیل شاخوں کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے :

1. آل عباس
2. آل علی
3. آل جعفر
4. آل عقیل
5. آل حارث بن عبدالمطلب۔[2]

سادات کے لئے زکوۃ کی حرمت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

"إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ"[3]

" صدقات لوگوں کا میل کچیل ہے اس لئے یہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے آل کے لئے حلال نہیں "

اور اس کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے مالِ غنیمت کے خمس میں پانچواں حصہ مقرر فرمایا جوان کو ملتا رہا۔اسی روایت کو صاحب ہدایہ نے راجح قرار دے کر اس کو مفتی بہ کہا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

" بنو ہاشم کو زکوۃ کا مال نہیں دیا جائے گا اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے بنو ہاشم بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کا میل کچیل حرام قرار دیا ہے اور اس کے بدلے تمہیں خمس کا پانچواں حصہ دیا ہے "[4]

مندرجہ بالا دلائل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہ ہو جیسا کہ معاصر فتاوٰی، فتاوی محمودیہ میں لکھا ہے کہ :

" مسلم فقیر، مسکین، عامل، مکاتب، غارم، فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو زکوۃ دینا اس شرط پر جائز ہے کہ وہ ہاشمی نہ ہوں "[5]

لیکن اس کے برعکس کچھ فقہاء سے اپنے دور کے حالات کے پیشِ نظر بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کے جواز کا قول منقول ہے ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

"وَبَنُو هَاشِمٍ إِذَا مُنِعُوا مِنْ خُمُسِ الْخُمُسِ جَازَ لَهُمُ الْأَخْذُ مِنَ الزَّكَاةِ وَهُوَ قَوْلُ الْقَاضِي يَعْقُوبَ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِنَا وَقَالَهُ أَبُو

---

[1] العینی، البنایۃ شرح الہدایۃ، ج3، ص471

Al-Ainī, Al-Bināyah sharh al-Hidāyah,3/471.

[2] المرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، ج1، ص112

Al-Murghinānī Al-Hidāyah sharh Bidāyat al-Mubtadī,1/112.

[3] القشیری مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ت ن، کتاب الزکاۃ، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ۔

Al-Qushairī, Muslim bin Hajjāj, Al-Jāmi Al-Sahih, Beirūt,Dār Ihyā al- turās al-Arabī,Kitāb al-zakāh,Bāb Tark Istimāl Āl Al-Nabī Alā al-sadaqa.

[4] البابرتی، العنایۃ شرح الہدایۃ، ج1، ص112

Al-Bābartī, Al-ināyah sharh al-Hidāya,1/112

[5] مفتی محمود۔ فتاوی محمودیہ۔ کراچی: دارالافتاء جامعہ فاروقیہ، 2005، ج9، ص346

Mufti Mahmood, Fatāwā Mahmoodiya, Karachi: Dār al-iftā, jāmia fārooqiya,2005,9/346

يُوسُفَ وَالْإِصْطَخْرِيُّ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضَرُورَةٍ"[1]

"اگر بنو ہاشم کو خمس الخمس سے منع کیا جائے تو پھر ان کو زکوۃ لینا جائز ہے یہ قاضی یعقوب اور بعض دوسرے حنابلہ کی رائے ہے اور ابو یوسف حنفی اور علامہ اصطخری شافعی کا قول بھی یہی ہے اسلئے کہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے"

متاخرین احناف میں انور شاہ کشمیریؒ سے بھی یہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں:

"وأخذُ الزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا"[2]

"زکوۃ کا لینا میرے نزدیک بھیک مانگنے سے زیادہ آسان ہے اس لئے میں اس پر فتوی دیتا ہوں"

اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ بنوہاشم کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ ان کے مقام اور مرتبہ کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے صدقات کھائیں۔ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے حکومت وقت بیت المال میں سے ان کو وظیفہ دے گا جو کہ قرون اولیٰ میں مال غنیمت کے خمس کا خمس ہوا کرتا تھا لیکن موجودہ دور میں خمس الخمس دینے کا نظام باقی نہیں رہا بیت المال سے بنوہاشم کے ناداروں کی کوئی مدد نہیں کی جاتی ہے، اگر ان حالات میں بنوہاشم کو زکٰوۃ نہ دی جائے تو وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے جس میں زکٰوۃ سے زیادہ ان کی اہانت ہے اسی لئے ضرورت کی بنا پر بنوہاشم کو زکٰوۃ دینے کی حلت کا حکم کیا جائے گا۔یہ استحسان بالضرورۃ ہے۔

مسلم اقلیتی ممالک میں زکٰوۃ سے مدارس اور ہسپتالوں کا قیام:

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ نے مسلم اقلیتی ممالک خاص طور سے یورپی ممالک میں مسلمانوں کے لئے زکوۃ کے مال سے مدارس اور ہسپتال بنانے کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ چنانچہ اپنے نویں سیمینار منعقدہ ۱۴۰۶ میں ایک قرارداد اسی مسئلے سے متعلق پیش کی ہے۔اکیڈمی اپنے قرارداد میں کہتی ہے کہ اسلام دشمن مشنریز مسلمانوں کو ختم اور ان کے عقائد کو مسخ کرنے کے لئے کوشاں ہیں اس مقصد کے لئے انہوں نے لاکھوں، کروڑوں ڈالر خرچ کر کے سکول اور ہسپتال قائم کئے ہیں جن کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں اور خاص کر مسلمان جوانوں کو دین اسلام سے بدظن کر کے اپنے دین کی طرف راغب کر رہے ہیں اور بہت سارے ان کا شکار بن رہے ہیں۔اس لئے اکیڈمی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ سماجی اور تعلیمی ادارے، ہسپتال، سکول وغیرہ اگر غیر مسلم ممالک میں بنائیں جائیں تو وہ آج دعوت کے لوازم اور جہاد فی سبیل اللہ کے وسائل میں شمار ہوں گے۔یہ نہ صرف دعوت کے کام میں مددگار ہیں بلکہ فکر اور عقیدہ کا جو بگاڑ مشنری اور لادینی سکول پھیلا رہے ہیں اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے عقائد اور دینی تشخص کی حفاظت کے لئے ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔لہٰذا اصحاب نصاب سے زکوۃ وصول کر کے مندرجہ بالا مصرف میں خرچ کیا جائے تو شرعاً یہ ایک اچھا مصرف ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ادارے خالص دینی مقاصد کے لئے بنائیں جائیں نہ کہ تجارتی مقاصد کے لئے۔[3] اکیڈمی کا یہ فیصلہ استحسان پر مبنی ہے۔ قیاس کی رو سے زکوۃ کو ایسے مصارف میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فتاوٰی قاسمیہ میں لکھا ہے کہ:

---

[1] ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم۔الفتاوی الکبری۔بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1987، ج5، ص373۔
Ibn Al-Taimiyah, Ahmad bin Abd Al-Halīm,Al-Fatāwa al-kubrā, Beirūt, Dār Al-Kutub al-ilmiyyah,1987,5/373.

[2] الکشمیری، محمد انور، شاہ۔فیض الباری علی صحیح البخاری۔بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2005م، ج3، ص157۔
Al-Kasmirī, Muhammad Anwar Shāh, Faiz al-bārī Alā Sahih al-Bukhārī, Beirūt, Dār Al-Kutub al-ilmiyyah,2005,3/157.

[3] رابطۃ العالم الاسلامی، قرارات مجمع الفقہ الاسلامی، مکہ، ص196-198
Rābitatu al-ālam al-Islāmī, Qararāt Mjma al-fiqh al-Islāmī, Makkah, p:196-198.

" ہسپتال میں زکوۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے "[1]

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ میں تملیک یعنی مستحق کو مالک بنانا شرط ہے کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"وَآتُوا الزَّكَاةَ"[2]

ایتاء تملیک کو کہا جاتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آیت :

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ"[3]

میں زکوۃ کو صدقہ کہا ہے تصدق بھی تملیک کو کہا جاتا ہے۔ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے۔اسی لئے فقہاء نے صریح الفاظ میں کہا ہے فلاحی کاموں مثلاً پل بنانے ، سڑکیں بچھانے ، نہریں کھودنے ، ہسپتال اور مساجد بنانے اور مردوں کی تدفین جیسے کاموں میں زکوۃ کا مال استعمال کرنا جائز نہیں۔[4]استحسان کی ایک دلیل یہ ہے کہ مسلم اقلیتی ممالک میں سماجی اور تعلیمی ادارے مثلاً ہسپتال ، سکول وغیرہ بنانا دعوت کے لوازم اور جہاد فی سبیل اللہ کے وسائل میں شمار ہوں گے۔اس کی ایک دلیل یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

"مشرکین کے ساتھ اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو"[5]

مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے اور حدیث مبارکہ کی رو سے زبان کے ذریعے دین کی دعوت بھی جہاد میں شامل ہیں۔یا یہ کہ دعوتی امور قیاس کی رو سے جہاد میں شامل ہیں ہے کہ جس طرح جہاد کا مقصد دین کی نصرت اور اللہ کے کلمے کی بلندی ہے اسی طرح دعوت کا مقصد بھی یہی ہے۔مسلم اقلیتی ممالک میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اور ہسپتال دعوت دین کے وسائل ہیں ، مسلم اقلیتی ممالک میں مسلمان اپنے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کریں گے اور اپنے ہسپتالوں سے علاج کریں گے تو مشنریوں سے محفوظ رہیں گے ، نیز غیر مسلم مسلمانوں کے تعلیمی داروں میں پڑھیں گے اور ہسپتالوں سے علاج کریں گے تو اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔لہٰذا یہ فی سبیل اللہ والے مصرف میں داخل ہیں۔دوسری دلیل یہ ہے کہ دین کی حفاظت شریعت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے جو ضروریات میں شامل ہے۔فقہ کا قاعدہ ہے :

"الضرورات تبيح الْمَحْظُورَات"[6]

---

[1] القاسمی، شبیر احمد۔فتاوی قاسمیہ۔ہند: مکتبہ اشرفیہ، 2015، ج11، ص327
Al Qāsimi, Shabbir Ahmad,Fatāwa Qāsimiyyah,India Maktabah Ashrafiyyah, 2015, 11/327

[2] البقرۃ 2:43

Al-Baqarah 2:43

[3] التوبۃ 9:60

Al-Toba 9:60

[4] تفصیل کے لئے دیکھیے، الکاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص39۔الشیرازی، المہذب فی فقہ الامام الشافعی، ج1، ص312
For details please see: Al-Kāsānī, Badaī al-sanaī fī tartib al-sharaī,2/39.
Al-Shīrāzī, Ibrāhīm bin Ali, Abu Ishāq,Al-Muhazzab fī Fiqh Al-Imām Al-Shāfī,1/312.

[5] ابوداود، سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، ت ن، کتاب الجهاد، باب كراهية ترك الغزو
Abu Daūd, Sajistānī, Sulaimān bin Ash'as,Sunan Abī Daūd,Beirūt,Maktabah Al'asriyyah,Kitāb Al-Jihād,Bāb Karāhiyyat Tark Al-Ghazw.

[6] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم۔الأشباہ والنظائر۔بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1999، الأشباہ والنظائر، ص64

"ضرورت منوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے"

قیاس تو یہی ہے کہ زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے لہٰذا جہاں تملیک نہیں ہوگی زکوۃ کا مال وہاں استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن ضرورت کی بناپر مسلم اقلیتی ممالک میں مسلم سکولوں اور ہسپتالوں کی تعمیر وانتظام میں زکوۃ کا مال استعمال کرنے کے جواز کا حکم کیا گیا۔ یہ استحسان بالضرورۃ ہے۔

ٹیکس کو زکوۃ میں شمار کرنا:

حکومت اپنی ریاستی اخراجات اور اقتصادی اور اجتماعی اہداف پورے کرنے کے لئے مخصوص قواعد کے تحت افراد اور کمپنیوں پر نقدی کی جو مقدار لازم کرتی ہے اسے ٹیکس کہا جاتا ہے۔[1] مسلم شہریوں سے آج کل کی حکومتیں ٹیکس بھی وصول کرتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں زکوۃ کی ادائیگی کا بھی حکم ہے دونوں کی ادائیگی ان کے لئے مشکل ہے اس مشکل سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے بعض فقہاء نے ٹیکس کو زکوۃ میں شمار کرنے کا فتوی دیا ہے۔ جیسے امام نوویؒ نے:

"ٹیکس کی مقدار عشر ساقط ہونے کو ترجیح دی ہے"[2]

اور موجودہ دور میں جاوید احمد غامدی اسی کے قائل ہیں۔ جاوید احمد غامدی کے نزدیک:

"اسلامی حکومت کو مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس لاگو کرنا درست نہیں ہے اس لئے حکومت جو بھی ٹیکس لیتی ہیں اسے زکٰوۃ ہی شمار کیا جائے گا"[3]

ان کا قول قیاس پر مبنی ہے ٹیکس کو انہوں نے زکوۃ پر قیاس کیا کیوں کہ دونوں کافی امور میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں مثلاً زکوۃ اور ٹیکس دونوں کی ادائیگی لازم ہوتی ہے ٹیکس میں مال عامۃ الناس کی بہبود کے لئے حکومت کو دیا جاتا ہے اسی طرح جو زکوۃ عاملین زکوۃ لیتے ہیں اسے بیت المال میں جمع کرتے ہیں جسے عامۃ الناس کی بہبود کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹیکس اور زکوۃ دونوں کی ادائیگی کے بدلے میں ادا کرنے والے کو کوئی معین مالی فائدہ نہیں ملتا۔ ٹیکس اور زکوۃ دونوں کا مقصد معاشرتی اور معاشی اہداف کا حصول ہوتا ہے۔ ٹیکس کو زکٰوۃ میں شمار کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اگر زکوۃ اور ٹیکس دونوں کی ادائیگی کو لازم کردیا جائے تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے لوگوں کو حرج سے بچانے اور تیسیر کے لئے ٹیکس کو زکٰوۃ میں شمار کرنا چاہیئے۔ جبکہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ:

"ٹیکس کو زکوۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا"[4]

بطور مثال فتاوی حقانیہ، رسائل ومسائل اور امداد الفتاوی میں ہے کہ:

"انکم ٹیکس کی ادائیگی سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی"[5]

Ibn Nujaim, Zain al-Din bin Ibrahīm,Al-Ashbah wa al-Nazāyer, Beirūt, Dār al-kutub al-ilmiyyah,1999,p:64

[1] الغفیلی، نوال الزکاۃ، ص331

Al-Ghufailī, Nawāzil al-zakah, p:331

[2] النووی، ابوزکریا، یحیٰ بن شرف، محیی الدین۔ المجموع شرح المهذب۔ بیروت: دار الفکر، ج5، ص542

Al-Novavī, Abu Zakariyyah, Yahya Bin Sharf,Al Majmoo Sharh Al-Muhazzab, Beirūt, Dār al-fikr,5/542.

[3]- www.almawrid.org/index.php/articles_urduview/yasaloon1,accessed on 24-07-20

[4] الغفیلی، نوازل الزکاۃ، ص311

Al-Ghufailī, Nawāzil al-zakah, p:311

[5] عبدالحق، فتاوی حقانیہ، ج3، ص533

اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس اور زکوۃ کے وصولی کے نصاب، مقدار اور وصولی کے طریق کار اور مصارف میں بہت زیادہ فرق ہے مثلاً:

1. ٹیکس بندوں کی طرف سے مقرر ہوتا ہے جبکہ زکوۃ شارع کی طرف سے واجب کیا گیا ہے۔
2. ٹیکس کا نصاب اور مقدار مقدار کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے جبکہ زکوۃ کا نصاب اور مقدار مستقل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔
3. ٹیکس مال نامی اور غیر نامی دونوں پر لازم ہوتا ہے جبکہ زکٰوۃ صرف مال نامی پر لازم ہوتا ہے۔
4. ٹیکس ریاست کی عمومی ضروریات اور اہداف پر خرچ ہوتا ہے جبکہ زکٰوۃ صرف ان آٹھ مصارف میں استعمال ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود متعین کیا ہے۔
5. ٹیکس ملک کے رہائشی افراد امیر غریب، مسلم، غیر مسلم سب سے وصول کیا جاتا ہے جبکہ زکٰوۃ صرف مسلمان امیروں سے وصول کی جاتی ہے۔

دلائل کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بظاہر ٹیکس کو زکوۃ میں شمار کرنے کے دلائل قوی ہیں کیوں کہ اس سے زکوۃ ادا کرنے والے مسلمانوں سے حرج دور ہوگا جو کہ شریعت کا منشا ہے لہٰذا ہونا تو یہ چاہیئے تھا ٹیکس کو زکوۃ میں شمار کر کے زکوۃ کی دوبارہ ادائیگی واجب نہ ہو۔ لیکن اس میں فقراء کا نقصان ہے کیوں کہ موجودہ حکومتیں اپنے خزانے سے فقراء پر بہت کم خرچ کرتی ہیں اور وہ جو سکیمیں فقراء کی مدد کے لئے شروع کرتی ہیں اس سے بھی فقراء کے بجائے غیر مستحقین ہی کو نوازا جاتا ہے۔ لہٰذا زکوۃ کو ٹیکس میں شمار نہ کرنے والوں کا قول راجح ہے۔ اس مسئلہ میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ٹیکس کو زکوۃ میں شمار کیا جائے لیکن فقراء کی مصلحت کی خاطر قیاس سے رجوع کیا اس لئے اسے استحسان بالمصلحہ کہا جائے گا۔

خلاصہ بحث:

کسی مسئلہ کے حکم میں اس کے نظائر کے حکم سے قوی دلیل کی وجہ سے عدول کرنا استحسان کہلاتا ہے۔ استحسان کی اقسام استحسان بالنص، استحسان بالجماع، استحسان بقول الصحابی، استحسان بالقیاس الخفی، استحسان بالضرورۃ، استحسان بالعرف، استحسان بالمصلحہ اور استحسان بمراعاۃ الخلاف ہیں۔ استحسان کی بنیاد حکمت اور مصلحت ہے جس کی وجہ سے مقاصد شریعت کے حصول میں استحسان کا کردار نمایاں ہے۔ عصر حاضر میں زکوۃ سے متعلق کئی ایسے ہیں جن میں قیاس اور عمومی قواعد کا اطلاق شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ان مسائل میں قرض حسنہ پر زکوۃ کا وجوب، طویل المیعاد دیون کی زکوۃ کا عدم وجوب، حقوق مجردہ میں زکوۃ کا عدم وجوب اور بنو ہاشم کے لئے زکوۃ کا جائز نہ ہونا وغیرہ جیسے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل پر استحسان کا اطلاق کر کے عمومی قواعد کے خلاف حکم کیا گیا جو کہ شریعت کے مقاصد سے اہم آہنگ اور معاشرے کے لئے مصلحت پر مبنی ہیں۔

CC BY

@ 2021 by the author، this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

تھانوی، اشرف علی، امداد الفتاوی جدید، ہند: مکتبہ زکریا، ج4، ص69

مودودی، ابوالاعلیٰ، رسائل و مسائل، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز1965، ج4، ص96

Abdul Haq,Fatāwa Haqqāniyah,3/533
Thānvi,Ashraf Ali, Imdād uk Fatawa New,India,maktaba zakariyyah,4/69
Modoodi,Abu Al A'alā,Rasāyel wa masāyel,Lahore ,Islamic publications,1965,4/96